ناول "خلیج" میں سانحہ مشرقی پاکستان کی عکاسی۔ ایک تحقیقی مطالعہ

"The Portrayal of the East Pakistan Tragedy in the Novel 'Khalij': A Research Study"

محمد اکرم شاد،

لیکچرار، شعبہ اردو، ورچوئل یونی ورسٹی آف پاکستان

موبائل نمبر: 923004296611

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2024 by the authors. This is an article open access distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract : This research focuses on scrutinizing the narrative of the novel "Khalij" in the light of historical references. This study aims to analyze the images of the Fall of Dhaka presented by various authors to uncover the truth of all historical facets. In addition to Khalid Fateh Muhammad's novel, this research meticulously examines the significant writings of Pakistani, Bangladeshi, and international authors. The study shows how this tragedy is remembered and narrated from different viewpoints. In this scholarly reflection, a literary method has been adopted to analyze fictional aspects, like human suffering and non-fictional dimensions, like political and cultural identity. This study reveals the difference between the Pakistani and Bangladeshi perspectives on the separation of East Pakistan, bringing forth new angles in the portrayal of the East Pakistan Tragedy.

Key Words: Khalij, Khalid Fateh Muhammad, Fall of Dhaka, Historical references, comparative literary analysis, Fictional portrayal, non-fictional portrayal, Political identity

تاریخ ان واقعات کے بعد کے اثرات سے بھی آگاہ کرتی ہے اور خاص سبق بھی دے رہی ہوتی ہے۔ اس عہد کے ان واقعات اور اسباب و نتائج کو تحریر کرنا کہ جو آگاہی کا سبب بنے تاریخ نگاری کہلاتا ہے۔ اردو زبان میں تاریخ نگاری بہت پرانی نہیں کیوں کہ اردو سے پہلے برِ صغیر میں فارسی ہی سرکاری زبان تھی لیکن جب انگریزوں نے اردو زبان کی سرپرستی شروع کی اور فارسی زبان سے ہاتھ کھینچ لیا تو فارسی کے فنون بھی اردو میں آنے لگے انھی میں سے ایک تاریخ نگاری ہے۔ بحیثیت علم تاریخ انسان کے ماضی کی دستاویز اور ایک منظم علم ہے اور اس کا منظم اندراج تاریخ نگاری کہلاتا ہے۔ اردو زبان میں تاریخ نگاری سب سے پہلے نظم کی صورت میں سامنے آئی جس کے بعد نثر میں بھی تاریخ نگاری ہونے لگی۔ ڈاکٹر شہناز بیگم نے اپنی کتاب اردو میں تاریخ نگاری میں اس موضوع پر عمدہ بحث کی ہے۔ کچھ کتب کے نام بتا کر وہ لکھتی ہیں:

یہ کتابیں اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں اردو میں تاریخ نگاری کا ابتدائی نمونہ بھی ہے(2)

انیسویں صدی سے اردو میں ناول نگاری کا آغاز ہوا اور جلد ہی اردو ناول نے اپنا مقام منوالیا۔ آج ہزاروں اچھے اردو ناول ادب کا حصہ ہیں جن میں تاریخی، نفسیاتی، رومانی، جاسوسی، واقعاتی، کرداری، سیاسی اور اصلاحی ناول شامل ہیں۔ اردو میں جب تاریخی ناول کا نام لیا جاتا ہے تو ذہن میں فوراً عبدالحلیم شرر کا نام آتا ہے اور ان کے ناول "ملک العزیز ورجینا" مطبوعہ 1888 کو پہلا اردو تاریخی ناول ہونے کا شرف حاصل ہے۔ راشد الخیری بھی تاریخی ناول نگاری میں طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ اردو میں تاریخی ناول دیگر ناولوں کی نسبت کم لکھے گئے تاہم ان کی تعداد حوصلہ افزا ہے۔ نسیم حجازی نے گویا تاریخی ناول نگاری کو اپنا شعار ہی بنالیا اور تاریخِ اسلام کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اچھی خاصی تعداد میں تاریخی ناول لکھ دیے۔ ایم اسلم، عبداللہ حسین اور قرۃ العین حیدر نے ایسے ناولوں میں عمدہ اضافے کیے۔ تاریخی ناول میں تاریخی واقعات کے ساتھ تاریخی شخصیات کے دائرہ اثر کو بھی بیان کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر محمد شاکر لکھتے ہیں:

کچھ "خلیج" اور خالد فتح محمد کے بارے میں

"خلیج" ایک تاریخی ناول ہی نہیں بلکہ ایک عسکری اور سوانحی ناول بھی ہے جسے خالد فتح محمد نے تحریر کیا ہے۔ خالد فتح محمد پاکستان کے ایک ممتاز ادیب ہیں جو معاشرے میں جیسا دیکھتے ہیں ویسا لکھنے کے قائل ہیں۔ آپ تجزیہ نگار، نقاد اور مترجم ہیں۔ خالد فتح محمد 19، اپریل 1946 کو موضع ماڑی بوچیاں (گورداسپور) میں پیدا ہوئے۔ خالد فتح محمد کے والد فتح محمد ضلع گورداسپور سے ہجرت کر کے ضلع گوجرانوالا میں آئے۔ ان کے والد خود برطانوی ہند میں آرمی میں کمیشنڈ افسر تھے۔ گورنمنٹ کالج گوجرانوالا میں دورانِ تعلیم 1969 میں پاکستان آرمی کمیشن میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ منتخب ہوئے۔ 1993 میں میجر کے عہدے سے ریٹائرمنٹ لے کر تب سے اب تک منفرد نثری ادب تخلیق کر رہے ہیں اور ایسا ادب جسے عالمی ادب کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اپنی ادبی زندگی افسانہ نگاری سے شروع کی بعدہ خود بھی ناول لکھے اور کچھ ناولوں کے تراجم بھی کیے۔ "خلیج" ان کا طبع زاد ناول ہے جو 2008 میں منظرِ عام پر آیا جس میں سانحہ مشرقی پاکستان کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے۔

سانحہ مشرقی پاکستان

1947 ایک ناقابلِ فراموش سال ہے جب برِ صغیر کے مسلمانوں کی مساعی رنگ لائیں اور تقسیمِ ہند کا اعلان کر دیا گیا۔ اس طرح برصغیر میں دو مملکتیں وجود میں آئیں یعنی پاکستان اور ہندوستان۔ اس تقسیم کے وقت بنگال کا مشرقی حصہ پاکستان کے حصے میں آیا جسے مشرقی پاکستان کے نام سے

پکارا جانے لگا۔ اگرچہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں نسلی اور لسانی فرق تھا مگر ان کے درمیان اسلام کا رشتہ تھا جس نے انھیں ایک بنا دیا تھا اور اسلام ایسے فرق کی سختی سے تردید بھی کرتا ہے۔ سورہ الحجرات میں ارشادِ باری تعالیٰ

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (4)

اللہ جل شانہ نے نسبی و نسلی امتیاز تو خود ختم فرما دیا مگر یہ ایکا بد اندیش غیروں میں سے دشمن اور اپنوں میں سے بدعنوان برداشت نہیں کر سکتے تھے ۔ دونوں حصوں میں تعصبات پیدا کیے گیے اور آخر 16۔ دسمبر 1971 کو سازشوں اور لڑائیوں کے بعد مشرقی پاکستان ہمیشہ کے لیے الگ ہو گیا اور اس کا نام بنگلہ دیش رکھا گیا۔ اسی واقعہ کے محرکات، اسباب، حقائق اور نتائج خالد فتح محمد نے اپنے ناول میں کس طرح بیان کیے ہیں اور دیگر ادبا و تاریخ نویسوں نے انھیں کیسے بیان کیا ہے، یہی اس تحقیق کی حقیقی غرض ہے۔ نیز اس سے خالد فتح محمد کے اسلوب اور تخلیقی صلاحیت کا بھی اندازہ لگانا سہل ہو جائے گا۔

سانحہ مشرقی پاکستان اور خالد فتح محمد

ڈاکٹر نزہت سمیع الزماں نے اردو میں تاریخی ناول کا ارتقا پیش کرتے ہوئے تاریخی ناول نگار کے لیے ایک ضابطہ تحریر پیش کیا ہے، ذرا دیکھیے:

تاریخی ناول نگار سے مورخ کی سی حقیقت نگاری اور تاریخی صحت کی نہ توقع کی جاتی ہے اور نہ وہ اپنے آپ کو اس کا پابند سمجھتا ہے لیکن پھر بھی اس کے قاری اس سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ جان بوجھ کر تاریخی حقیقتوں کو مسخ نہیں کرے گا۔ کردار کشی کے جرم کا مرتکب نہیں ہو گا اور کسی پر الزام تراشی نہیں کرے گا۔(5)

اس بیان میں توضیح طلب بات واقعات کی تاریخی صحت ہے کیوں کہ افسانوی ادب تو افسانوی ہے کہ جس کا خمیر ہی واقعے کے اس بیانیے سے تیار کیا جاتا ہے جس میں جمالیات اور تخیل کار فرما ہو۔ لیکن خالد فتح محمد کے لیے یہ بات تھوڑی سی مختلف ہے۔ بے شک وہ فکشن کے بہت اچھے ادیب ہیں۔ سانحہ مشرقی پاکستان پر ناول لکھنے والے خالد فتح محمد صرف اس ناول کے خالق ہی نہیں بلکہ اس سانحہ کے عینی شاہد بھی ہیں اس سے بھی بڑھ کر وہ صرف لکھاری اور شاہد ہی نہیں اس سانحہ کے ایک حقیقی کردار بھی ہیں کیوں کہ وہ خود اس جہاد میں ایک فوجی کی حیثیت سے شامل رہے، وہ جنگ جسے مغربی پاکستان والوں نے خانہ جنگی اور مشرقی پاکستان والوں نے جنگِ آزادی کا بھی نام دیا۔ اس طرح جب ایک عینی شاہد یا کسی واقعے کا حقیقی کردار اسے ضبطِ تحریر میں لاتا ہے تو وہ تحریر بہر حال ایک بڑی تحریر بن جاتی ہے۔ بعض اوقات ناول کی کہانی اور ان کی زندگی کا موازنہ

کرتے ہوئے لگتا ہے کہ یہ ان کا محض تاریخی ناول نہیں اور نہ محض سوانحی ناول ہے بلکہ ایک تاریخی سوانحی ناول ہے جو اپنی اصل تکنیک اور رومان سے عبارت ہے۔ انھوں نے ان تمام محرکات و واقعات کو بڑی ایمان داری سے بیان کیا جو اس سانحہ سے پہلے رونما ہوئے یا یوں کہ لیں انھوں نے اپنی خواہش سے نئے واقعات نہیں بنائے بلکہ جو دیکھا اسے سیدھے انداز میں پیش کر دیا۔ علی عباس حسینی نے بھی ناول نگار کے لیے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

ناول نویس اپنی خواہش کے مطابق کوئی نئی دنیا نہیں بناتا، وہ ہماری دنیا سے بحث کرتا ہے۔(6)

سانحہ مشرقی پاکستان کی عکاسی کے زاویے

"خلیج" خالد فتح محمد کا وہ ناول ہے جو ایک سانحہ ہی نہیں ایک عہد کی تاریخ کا بھرپور اور حقیقی عکاس ہے۔ وہ ایک مجاہد تھے اور اس سانحہ کی تاریخ کا حصہ رہے ہیں سو انھوں نے جو اور جیسا دیکھا وہی لکھا اور کسی قسم کی جانب داری سے کام نہیں لیا۔ ناول کے فن کی تکنیک بڑی کامیابی سے استعمال کرتے ہوئے نفرت، محبت، جنگ اور بربریت کے تجربات کو بڑی خوش اسلوبی اور حقیقت پسندی سے بیان کیا ہے۔ انھوں نے خود کو ایک پاکستانی فوجی بن کر یہ سانحہ نہیں لکھنے دیا بلکہ ایک مرد انسان اور سچ کے امین کے طور پر یہ ناول تخلیق کیا ہے۔ یہی نہیں، ان کے ہر افسانے، ناول اور ترجمہ میں ان کا مطمحِ نظر ادب میں حقانیت اور اس کا فروغ رہا ہے اور ایک ناول نگار کو یہی زیب دیتا ہے:

ناول نگار تخیلِ محض سے کام لینے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے قصے کی بنیاد روزمرہ کی زندگی ہو گی۔(7)

مشرقی پاکستان کی علاحدگی کے بارے میں لکھی جانے والی دیگر قریباً تمام کتب میں پاکستان کی سیاسی صورت حال کو مدِ نظر رکھ کر زیرِ بحث لایا گیا ہے البتہ "خلیج" میں ایسے سیاسی امور کو بیان نہیں کیا گیا تاہم خالد فتح محمد کے اپنے تجربات اس میں ضرور بیان ہوئے ہیں، ساتھ ہی ساتھ انھوں نے فلسفہ حیات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے ان کی قوتِ مشاہدہ کا بخوبی اندازا ہوتا ہے کہ انسان پر بیتنے والے لمحات، اندرونی کشمکش، قلبی کیفیات، اور تبدیلی افکار کو سادہ لفظوں میں بیان کر کے رکھ دیا ہے۔ یہاں دیکھا جائے گا کہ سانحہ مشرقی پاکستان کی عکاسی کس کس زاویے سے کی گئی ہے اور ان میں کیا تضاد ہے۔ کہانی کے مرکزی کردار افضل کا بیانیہ ہمیشہ غیر جانب دار رہا ہے۔ افضل کے مطابق جیسا انھیں بتایا گیا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے:

افضل پاکستان کے قیام تک کے تاریخی حقائق سے واقف نہیں تھا۔ اسے شک سا گزر رہا تھا کہ سب کچھ اس طرح نہیں ہو سکتا جو انھیں بتایا جا رہا تھا: کہیں نہ کہیں دو سر انقطہ ضرور ہو گا۔ مگر ایک وفادار فوجی ہوتے ہوئے اسے کھوجنا اس کے دائرہ عمل سے باہر تھا۔(8)

وہ دو سر انقطہ سیاست ہے، کوئی مصلحت ہے، احساسِ برتری ہے یا حکومت کی کوئی اپنی کمزوری؟ اس نقطے سے کسی قدر پاکستانی کرنل صدیق سالک نے کھوجنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے 1971 کے مشرقی پاکستان کی معاشی بدحالی کا بھی ذکر کیا جس سے وہ خود کو مجرم سمجھنے لگے۔ وہ ڈھاکہ سے تھوڑا ہی دور جب کچھ برتن خریدنے کی غرض سے جاتے ہیں تو راستے میں مفلسی و ناداری کی ایک عجیب دنیا دیکھنے کو ملتی ہے جہاں عورتوں کے پاس ستر پوشی کے پارچات کے علاوہ کپڑا نہیں، کھانے کو خوراک نہیں اور کرنے کو کوئی کام نہیں۔ ہاں مشرقی پاکستان میں بھکاریوں کی البتہ کوئی کمی نہیں ملتی۔ وہ لکھتے ہیں:

راستے میں جہاں جہاں رکا، بھک منگوں کے غول کے غول مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے محسوس کیا کہ بنگال کا عام غریب آدمی مغربی پاکستان کے انتہائی غریب آدمی سے بھی غریب تر ہے۔ مجھے مشرقی پاکستان کی معاشی بدحالی کے بارے میں سنی ہوئی باتوں میں وزن نظر آنے لگا۔(9)

مشرقی پاکستان والے تحریکِ پاکستان سے لے کر قیامِ پاکستان تک ہر قسم کی قربانیاں دیتے رہے اور آخر پاکستان قائم کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے تو پھر ایسا کیا ہوا کہ انھوں نے مغربی پاکستان سے علاحدگی کے لیے اپنی جان، عزت، مال کسی چیز کی بھی پروانہ کی؟ ہمارا المیہ یہ بھی ہے کہ جب ہم مخصوص صوتِ حال کو دیکھتے ہیں تو اسے غیر جانب داری کی بجائے مخصوص فکر و نظر اور شاید قومیت کی نظر سے بھی دیکھنا شروع کر دیتے ہیں نتیجتاً ان حالات کی اصل تک نہیں پہنچ پاتے مگر تحقیق میں منتخب کیے گئے مصنفین وہ ہیں کہ جنھوں نے بے لاگ ہو کر اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ اس پر بھی متفق ہیں کہ مشرقی پاکستان کے ساتھ ناانصافی ہوتی رہی مگر کھوٹ مشرقی پاکستان کے قائدین میں بھی تھی۔ اگرچہ تقسیمِ پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کی ذاتی خواہشات بھی شاملِ حال تھیں مگر حقیقت سے منھ نہیں موڑا جا سکتا۔ بنگلہ دیشی مصنف کرنل شریف الحق نے کئی مواقع پر مشرقی پاکستان کی مفلسی و بدحالی کا ذمہ دار خود اپنی ہی حکومت کو قرار دیا ہے:

جب مجاہدینِ آزادی سخت ترین حالات میں بھوکے پیاسے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے، اس وقت بد دیانت اور بد عنوان سیاسی رہنما اور ان کے پٹھو اپنی حد سے متجاوز شرم ناک حد تک فضول خرچیوں کی وجہ سے قوم کے نام کو بدنام کر رہے تھے۔(10)

عوامی لیگ کی حکومت نے جلاوطنی کے دور میں اور نہ ہی آزاد بنگلہ دیش میں کبھی یہ تکلیف گوارا کی کہ عوامی مفادات کے پیشِ نظر ان لٹیروں اور ان کی اشتعال انگیز پُر تعیش طرزِ زندگی کے حوالے سے کسی احتسابی عمل کا آغاز کیا جائے۔(11)

چوں کہ یہ ناول ایک فوجی کے متعلق ہے اور فوجی کو جو چیز سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر سکھائی جاتی ہے وہ ہے کسی بھی قیمت پر حکم کی تعمیل۔ اس حکم کی تعمیل میں خواہ کسی کی اپنی مرضی ہو نہ ہو لیکن وہ حکم ماننا ہی پڑتا ہے۔ خالد فتح محمد کے وجود میں محبت، جدوجہد، بقائے انسانیت کی عملی مساعی، تذبذب سبھی کچھ ہے۔ خالد فتح محمد نے انسان کے ضمیر کے ساتھ احکام کی کشمکش کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے:

وہ فوج میں جتنے بھی نرم رویوں کا حامی ہو، حکم کی بجا آوری پر سمجھوتے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی نظر میں اچانک اپنا گاوں آ گیا۔ اس نے سوچا، اگر حالات الٹ ہوتے اور اس کے لوگوں کے گھر جلانے کو کہا جاتا تو وہ کیا کرتا!(12)

کسی کردار کے اندر سے بیرونی منظر چھلکتا ہوا نظر آئے تو یہ اس کردار کے خالق کی ایک بڑی خوبی ہے۔ خالد فتح محمد نے اس خوبی کو خوب نبھایا ہے۔ انھوں نے ناول کے مرکزی کردار افضل کے ذریعے کرنل کے حکم پر اندھا دھند چلنے کی بجائے صورت حال کا اطلاق اپنے لوگوں پر کیا یوں وہ بقائے انسانیت کے جذبات سے بھرپور دکھائی دیتا ہے اور آگے چل کر اس سے جو بن پا سکتا ہے وہ عملی جدوجہد بھی کرے گا۔ اقوام کے ٹکراو میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو فتح پر انسانیت کو ترجیح دیں۔ خلیج میں بنگلہ دیش بننے سے پہلے کے مشرقی پاکستان کے واقعات ہیں جن میں بغاوت، استحصال اور موت تینوں کا بیان دونوں طرف سے یوں کیا گیا ہے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے عوام، سیاسی رہنما اور فوج تینوں کھل کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں جس سے تاریخ خود کو صاف کرتی ہے اور اقتدار کی ہوس خود کا اظہار کرنے لگ جاتی ہے۔ یہاں افضل پاکستان کے تین فوجی افسروں کیپٹن غفار، میجر شاہد اور بریگیڈ کمانڈر کے حوالے سے اپنی فکر کو پیش کرتا ہے اور کرنل بشیر کو بھی انھی میں شامل کرتا ہے:

وہ سب اپنے اپنے طریقے سے مشرقی پاکستان کو برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ کیا انھیں صوبے کے ذرائع کو تاراج کرنے سے کوئی غرض نہیں تھی اور وہ صرف باشندوں کو ختم کرنا چاہتے تھے، لیکن کیا نسل ختم کرنے سے نسل ختم ہو جاتی ہے؟(13)

یہ ایک محبِ وطن کی سوچ ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اگر ایسا ہو گیا اور پاکستان کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا تو ڈر اس بات کا ہے کہ آنے والے دنوں میں اس شکست کو پھر اندرونی نااہلی کوئی تسلیم نہیں کرے گا بلکہ حقائق کو چھپانے کے لیے اس ہار کو بیرونی مداخلت کا نام دے دیا جائے گا۔ افضل بہ حیثیت ایک شاہد اور تجزیہ کار کے یہ سمجھ چکا تھا کہ جو مشکل پیدا ہو چکی ہے موجودہ نظام اسے حل کرنے میں ناکام ہے۔ یہ نظام تو صرف فوجی دستوں کو

جنگ کے منھ میں جھونک رہا ہے۔ جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے، اس میں متحدہ پاکستان کے حامیوں کو طرح طرح کی اذیتیں دینے کے بعد قتل کر دیا جاتا، 1971 میں پاکستانی فوج کو قابض فوج کہا گیا اور جو سادہ لوح بنگالی اس فوج کے خلاف لڑے انھیں آزادی کے سپاہی کہا گیا۔ تو بنگالی قیادت کو کرنل شریف الحق نے خود بے نقاب کیا ہے:

تمام قوم نااہل اور بدعنوان قیادت کے ہاتھوں یرغمال بنی ہوئی ہے۔(14)

مشرقی پاکستان کے عوام کے دلوں میں پاکستانی فوج کا تصور صرف ایک غاصب اور ظالم فوج کا تھا۔ چوں کہ مشرقی پاکستان کی اس نازک صورت حال میں تمام عناصر اس فوج کے خلاف تھے لہٰذا فوج ایک نفسیاتی کم تری کا بھی شکار تھی۔ عالمی تناظر میں بھی مکتی باہنی کے پیچھے ہندوستانی فوج تھی اور ہندوستانی فوج کے پیچھے روس کا ہاتھ تھا۔ پاکستانی فوجی تو اگر کسی دھان کا شدت کرتے بنگالی کسان سے راستہ پوچھ لیتے تو فوجی کے آگے نکلتے ہی فوجیوں کی پشت پر فائرنگ شروع کر دیتے۔ کچھ ایسی ہی نفرت پاکستان کے بیشتر افسروں کے دلوں میں بنگالیوں کے لیے تھی اور اس کا ثبوت خلیج ناول میں افضل کے ریل کے سفر کے دوران لیفٹیننٹ شہباز والے واقعے میں موجود ہے جب وہ ریل میں موجود ایک مشرقی پاکستان کے نوجوان کو صرف اپنی طاقت ظاہر کرنے کے لیے گولی مار کر ہلاک کر دیتا ہے۔ افضل انھیں مخصوص سطحیت کے لوگ قرار دیتا ہے جن کی وجہ سے خلیج بڑھ رہی تھی۔ وہ گہرائی تک دیکھنے کے اہل نہیں اور جھوٹی انا کے قیدی ہیں۔

وہ انا کی تسکین کے لیے ایسے بے ہودہ اعمال کے مرتکب ہو رہے تھے جو ان کے دائرہ کار سے باہر تھے اور مجموعی طور پر حالات کو ایسی ڈگر پر ڈال رہے تھے جہاں سے واپسی ممکن نہ تھی۔(15)

لیکن ریل کے سفر کے بعد جوں ہی افضل اسٹیشن پر اترا تو اسٹیشن ماسٹر نے غیر بنگالیوں پر ظلم کی انتہا کی داستان سنائی جس سے روح بھی کانپ جاتی ہے۔ ہوا یہ کہ ایک افواہ تھی کہ اسٹیشن سے ٹرینیں محفوظ جگہ جائیں گی۔ جب ہر ایک وہاں آ گیا تو گھیر کر سب کو مار دیا گیا۔ پھر وہ اسٹیشن ماسٹر افضل کو کہتا ہے کہ ان کی عورتیں بھی جادو ہیں اور عورت کا یہ جادو ان کی تہذیب کا حصہ ہے کہ مغربی پاکستان والوں کو اپنے بس میں کر کے بے بس کرتی ہیں۔ یہ وہ حقائق تھے جنھیں بہت کم لکھاریوں نے اتنا غیر جانب دار ہو کر لکھا ہے جتنا خالد فتح محمد نے لکھا۔ وہ بڑی عمدگی سے قاری کو اپنے کرداروں سے ملواتے بھی جاتے ہیں اور حقیقت بھی واضح کرتے جاتے ہیں لیکن کسی ایک مقام پر بھی مبالغہ آرائی کا شائبہ نہیں ہوتا۔ مشرقی

پاکستان کے عوام کو تو قوم پرست بنایا جارہا تھا اور وہ بن چکے تھے۔ قائدین صرف حکومت چاہتے تھے۔ وہ اپنی تحریک کو بھی پر تشدد بنا چکے تھے جس کا مقصد صفر دبانا تھا۔ جو حقائق خالد فتح محمد دکھاتے ہیں ان کی تاریخی صداقت انڈین مصنفہ رقم طراز ہیں:

The violence that Sheikh Mujib's Bengali nationalist movement unleashed was a chaotic violence, not a controlled one. It was meant to exert tactical pressure, not serve as grand strategy. (16)

سرمیلا بوس بنگالی قوم پرستوں کو تشدد پسند کہہ رہی ہیں تو یہ ان کی آزمائی ہوئی باتیں ہیں جو وہ بغیر لگی لپٹی تحریر کر رہی ہیں۔ ناول خلیج میں بنگالی قوم کے متعلق بھی یہی لکھا گیا:

ان کے اندر نفرت کی آگ تھی جسے بتدریج سیاسی، معاشرتی اور معاشی ناہمواری ہوا دیتی رہی۔ ہمیشہ، کہیں نہ کہیں، بے اطمینانی اور محرومی کا احساس ضرور رہتا ہے۔(17)

ان میں کسی حد تک برتری کا احساس بھی تھا جس کی وجہ سے وہ خود سے خائف رہتے اور یہی خوف ان کو پاگل ہاتھی میں تبدیل کر دیتا۔(18)

خالد فتح محمد گویا مشرقی اور مغربی پاکستان کی علاحدگی کی اصل وجہ کو سامنے لا رہے ہیں۔ وہ اب تک یہ جان چکے ہیں کہ ان دونوں کی معاشرت، سوچ، ثقافت، جغرافیہ سب کچھ الگ ہے۔ جہاں سندھی، بلوچ، پنجابی اور پٹھان فراخ دل ہیں وہیں بنگالی خود بین ہیں۔ خلیج کا ایک اور کردار میجر شاہد ہے جس کی سوچ ہی یہ ہے کہ دونوں صوبوں کو ملا کر ایک ملک ہی نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ دونوں صوبوں کے باشندوں میں کچھ مشترک نہیں۔ یہاں افضل کو یا یوں کہ لیں خالد فتح محمد کو اپنی فوج کی سوچ پسند نہیں آئی۔ وہ اپنا نقطہ نظر بھی بیان کرتے ہیں اور ایک فوجی کی اندرونی کشمکش کو بھی باہر نکال دیتے ہیں۔ وہ مشرقی پاکستان میں تھے مگر ان کی سوچ مغربی پاکستان کے ساتھ تھی، انھیں مشرقی پاکستان کے لوگوں سے ہمدردی بھی تھی کہ جنھیں جبر کی چکی میں پیسا جارہا تھا مگر کسی جگہ دھاوا بولنا ہوتا تو خود پیش پیش ہوتے۔ وہ ایسے مقام پر آچکے تھے جہاں انھیں کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ البتہ مکتی باہنی کے معاملے میں ان کا نظریہ واضح تھا جو رات کے وقت وارداتیں بھی کرتے اور لوٹ مار کے ساتھ عورتوں کو بھی اٹھالے جاتے۔ ملک میں ابتری اور پاکستانی فوج کی ناکامی کی وجوہات میں سے ایک وہ بھی تھے جو ہندوستان سے منظم ہوتے۔ شریف الحق نے بھی اس بات کی تائید کی ہے:

ہندوستانی حکومت کا اعلان سننے کے بعد مکتی باہنی کے کمانڈرز اپنے آپ کو دوبارہ منظم کرنے کے لیے عارضی طور پر سرحد عبور کر کے ہندوستان آ جاتے تھے۔(19)

ناول خلیج کے بیانیے میں خالد فتح محمد نے بڑی غیر جانب داری سے ان تمام وجوہ اور صورت حال کا احاطہ کیا ہے جو سانحہ مشرقی پاکستان سے ایک ماہ قبل تک مشرقی پاکستان میں بن چکی تھی۔ وہ ان کشیدہ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں:

یوں لگتا تھا کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ناگزیر ہو چکی ہے۔(20)

یہاں وہ اس وقت کے موجودہ حالات کا درست پتا دیتے ہیں کہ یہ جنگ انھیں کیوں ناگزیر لگتی ہے: مغربی پاکستان میں فوج کا اپنے ذمہ داری کے علاقوں میں پہنچ جانا اور ہندوستانی فوج کا مشرقی و مغربی محاذوں پر صف آرا ہونا بظاہر تو بتا رہا تھا کہ دسمبر 1971 میں ہندوستان کو شکست ہو گی اور مشرقی پاکستان کے حالات معمول پر آ جائیں گے مگر

افضل کو یہ سب دیوانے کا خواب لگتا تھا۔(21)

کیوں کہ اس کے مطابق امریکا اپنے حامیوں کی کبھی مدد نہیں کرتا، روس کا ہندوستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ تھا، ہندوستان میں جمہوری حکومت بہت مضبوط تھی، پاکستان میں ایوب خان کا تختہ الٹ دیا گیا تھا، یحییٰ خان سے حالات نہیں سلجھ رہے تھے، مشرقی پاکستان میں عسکری عدم توازن اور تعداد کی کمی کے سبب سے فوج کے حوصلے پست تھے اور ہندوستان کے حملے کی صورت میں مشرقی پاکستان میں ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس پر مکتی باہنی کے غیر متوقع اور زور دار حملے کسی ناگہانی مصیبت سے کم نہ تھے۔ خالد فتح محمد کا تجزیہ اتنا درست اور غیر جانب دار تھا کہ اس کی تائید پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان کے تمام مصنفین و مورخین نے کی۔ اس غیر جانب داری نے انھیں ایک بڑا مصنف اور ان کے ناول کو مشرقی پاکستان کے سلجے کے پس منظر میں ایک بڑی تصنیف بنا دیا ہے۔ مختلف بیانات ان کی تائید کرتے ہیں:

تقریباً ایک لاکھ پاکستانی فوج، ہندوستانی فوج اور مکتی باہنی کے چاروں جانب سے مشترکہ حملے کی مزاحمت جاری نہ رکھ سکی۔ ان کی مشترکہ قوت پاکستانی فوج کی نسبت چھے سے سات گنا زیادہ تھی۔ بارہویں دن مشرقی پاکستان میں پاک فوج کو غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا گیا۔ (22)

The big operations are always done by the Indians…. Some of us have gone in and thrown a few hand-made grenades. But when it comes to blowing up a bridge or derailing a train, the Indians do it all themselves, taking us along as guides. And then they call it a Mukti Fauj Victory. This is what Frustrated Bengali volunteers for the Bangladesh cause told Sasthi Brata (23)

اس موقع پر چھاپہ مار لیڈر (بنگلہ دیشی) جسے چاہتے منتخب کر کے ٹرکوں میں بھر کر لے جاتے اور پھر انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔(24)

مشرقی بازو، مغربی بازو سے 1600 کلو میٹر دور تھا اور تین اطراف سے بھارتی سرحدوں سے جڑا ہوا تھا جب کہ چوتھی جانب خلیج بنگال تھی۔ بھارت نے مشرقی پاکستان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لینے کا فوجی عمل شروع کیا۔(25)

مندرجہ بالا وہ تمام حقائق ہیں جنھیں بڑے بڑے مصنفین اپنی تحقیقات میں بیان کر چکے ہیں اور جو خالد فتح محمد کی صداقت اور حوصلے کی تائید کرتے ہیں۔ انھوں نے اس ناول میں اپنے ایک کردار کیپٹن امین کی طرف سے ہندوستانی افواج کے عزائم اور طاقت کے مظاہرے کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ نیز مقامی لوگوں کی پاک فوج کے لیے نفرت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ انھیں اس بات کی فکر نہیں کہ آزادی کے بعد کیا ہو گا، انھیں صرف پاکستان سے آزادی چاہیے جس کے لیے وہ مار بھی رہے ہیں اور مر بھی رہے ہیں حتیٰ کہ مشرقی پاکستان کے وہ لوگ جو پاک فوج میں آفیسر ہیں وہ اس آزادی کے لیے بغاوت پر اتر آئے۔ ان کے دلوں میں بغاوت کی یہ آگ کس نے سلگا دی؟ یہ سب ان کی قیادت نے آگ لگائی ہے۔ جہاں مغربی پاکستان کی قیادت نے مختلف حیلوں اور بہانوں سے مشرقی پاکستان والوں کے حقوق پورے نہیں کیے اور کم تعداد میں فوج کو ترنوالہ بنا کر مشرقی پاکستان میں بھیج دیا کہ شاید سختی کرنے سے وہ بنگالیوں کو دبا لیں گے وہیں مشرقی پاکستان کی قیادت نے اپنے سادہ لوح عوام کو اس خون ریز جنگ میں جھونک دیا جس کے منصوبے ہندوستان میں پہلے سے ہی بن رہے تھے۔ خالد فتح محمد نے اپنے ناول خلیج کے آخری حصے میں بڑی دیانت داری سے بتایا کہ کیسے پاکستانی فضائیہ نے ہندوستان کے ہوائی اڈوں پر پہل کرتے ہوئے اچانک حملے کیے اور ہندوستانی علاقوں میں پیش قدمی کی مگر اس سے کیا ہوا؟ یہی ہوا کہ ہندوستانی قیادت کو بہانہ مل گیا اور انھوں نے فوری طور پر جنگ کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ ناول میں امریکی بحری بیڑے کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ چوں کہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان میں اپنے دفاع کے بھی قابل نہیں رہا تو اب جنگ بندی کے لیے اقدام کیے جائیں اور یہ کام امریکی بیڑا کرے گا لیکن یہ سب بے کار تھا۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کا اشارہ کرتے ہوئے انتظار حسین بھی اپنے ناول بستی میں ہمارے لیے

ایک ازلی کمزوری کا ذکر کرتے ہیں کہ ہماری قوم ہمیشہ بشارت ملنے کے چکر میں رہتی ہے کہ امریکی بیڑا آرہا ہے اور ہم ہندوستان سے یہ جنگ ان کی مدد سے جیت جائیں گے:

صاحب! مصدقہ خبر ہے۔ ساتواں بحری بیڑا چل پڑا ہے۔

واقعی؟

واقعی، اب تو خلیج بنگال میں داخل ہونے والا ہے۔ بس اب جنگ کا پانسہ پلٹنے والا ہے۔ (26)

لیکن حقیقی حالات اس سے بہت زیادہ مختلف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صدیق سالک نے لکھا تھا:

اگرچہ جنگ کے تیور روز بروز بدل رہے تھے اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، مگر جنرل نیازی اب بھی امید لگائے بیٹھے تھے کہ واقعی شمال سے زرد دوست اور جنوب سے سفید دوست مدد کو پہنچنے والے ہیں۔ (27)

میجر خالد فتح محمد نے اپنے بیانیے میں جس وصف کو سب سے مقدم رکھا وہ ان کی دیانت داری ہے۔ جہاں مغربی پاکستان کی فوج کی پستی کا اظہار کیا ہے خواہ وہ طاقت کے نشے میں ہو یا کسی نفرت برائے نفرت کی وجہ سے، وہیں مشرقی پاکستان کی نفرت اور مسلح کارروائیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انھوں نے فکشن کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا، انھوں نے فکشن کے بھی ہر تقاضے کو جی جان سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنے ایک کردار بنگالی لڑکی یاسمین کے ذریعے مشرقی پاکستان کے عوام کی سوچ کو بھی بڑی کامیابی سے سامنے لے کر آتے ہیں۔

اگر اس ناول کے نتیجے کی بات کریں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ سانحہ مشرقی پاکستان کی بڑی وجہ مشرقی پاکستان کو ان کے جائز حقوق نہ ملنا ہے اور اس کی ذمہ دار اس وقت کی مغربی پاکستان کی فوجی حکومت ہے۔ ناول کے ہیرو افضل کی سوچ سے اگر اتفاق کر لیا جاتا اور ایسے نفرت و شر انگیز حالات پیدا ہونے سے روکنے مقصود تھے تو بروقت اس محرومی کا ازالہ کیا جانا ناگزیر تھا جس کا احساس مشرقی پاکستانیوں میں گھر کر چکا تھا۔ بے شک مشرقی پاکستان والے مغربی پاکستان والوں کے وجود کو بھی اپنے صوبے میں بوجھ سمجھ رہے تھے اور انھیں قتل کرنے یا اذیت دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھتے تھے جو کہ خانہ جنگی کے دنوں میں ہوا۔ دوسری جانب مغربی فوج کے سینئر افسروں کی سوچ بھی ناانصافیوں کے باوجود ت یہی تھی ایسے مشرقی پاکستان والوں کے بارے میں کہ: They are the enemy. Kill them, burn them۔ سانحہ مشرقی پاکستان کے تناظر میں لکھا جانے والا ادب دیکھا جائے تو اس میں خلیج ایک نمایاں ناول ہے۔ یہ وہ ناول ہے جس نے خلیج کی قابلِ فہم تشریح کی۔ خلیج میں ہر خلیج

کو واضح کر دیا گیا ہے؛ خلیج جو دو قوموں میں درمیان حائل تھی، وہ خلیج جو دو ملکوں کے درمیان تھی، وہ خلیج جو اس سانحہ سے جڑے انسانوں کے فرائض کے درمیان تھی اور وہ خلیج جو انسان کے اپنے ہی دل اور دماغ کے درمیان حائل تھی۔ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ خلیج کیسے حائل ہوتی ہے اور کن نتائج کی حامل ہوتی ہے۔

عصری صداقتوں کا بیان ناول کی ایک بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے جو اس ناول میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ خالد فتح محمد نے مشرقی پاکستان کے علاقوں، لوگوں اور ان کی تہذیب و ثقافت کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے قاری کو سب اپنی آنکھوں دیکھا لگتا ہے۔ انھوں نے خانہ جنگی کا بیان بھی کیا اور اپنے افسر کیپٹن غفار ایسوں کی شہادتوں کو بھی تحریر کیا۔ جہاں مشرقی پاکستان والوں کی بغاوت اور نفرت تحریر کی وہیں مغربی پاکستان والوں کے ہاتھوں عزت لٹانے والی بنگالی عورت کے حالات بھی پیش کر دیے۔ مکتی باہنی اور ہندوستانی سازشوں کو بھی بے نقاب کیا اور مغربی پاکستان کے بڑوں کے فیصلوں پر بھی تنقید کی۔ حتیٰ کہ انھوں نے عصری صداقت ہر آنکھ کے سامنے رکھ دی۔ وہ مشرقی پاکستان میں پھنسی مغربی پاکستان کی فوج کے حالات اور خیالات کو بڑی دیانت سے قاری کے سامنے لائے ہیں۔ انھوں نے حالات کو یوں پیش کیا ہے کہ حقیقت صرف حقیقت رہے۔ حقیقت پسندی بھی ایک خاص زاویہ ہے جس سے دنیا کو دیکھا جا سکتا ہے اور دیکھا جاتا ہے۔ منتخب ادبی اصطلاحیں میں اس کے حوالے سے درج ہے:

جو کچھ کسی نے دیکھا اور سمجھا اور محسوس کیا اسے ہنر مندی سے مرتب کرنے سے ایسا فکشن وجود میں آتا ہے جو اصلیت کا تاثر دے سکتا ہے۔ (28)

خالد فتح محمد نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ اگر دیکھیں تو ناول کو داستان سے اور دیومالائی کہانیوں سے جو چیز الگ کر کے اسے نوویلا بناتی ہے وہ حقیقت پسندی ہی تو ہے یوں ناول نگار ایک حقیقت نگار بن جاتا ہے جو اپنے گردو پیش پر گہری نظر رکھتا ہے۔ خالد فتح محمد نے گولہ باری، فائرنگ اور جھڑپوں کو ضرور بیان کیا ہے مگر واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا۔ تاریخیت کا حق اسی طرح ادا کیا جا سکتا تھا جیسے انھوں نے اپنے اس ناول میں ادا کر دیا ہے، یہاں ضروری ہے کہ تاریخیت کی وضاحت کر دی جائے، بقول فخر الحق نوری:

تاریخیت سے مراد یہ ہے کہ ادب خواہ کسی دور کا ہو اس کا جائزہ لیتے وقت اسی دور کے تصورات، رسمیات اور نقطہ ہائے نظر کا سیاق و سباق سامنے رہنا چاہیے۔ (29)

آخر میں یہی ایک تاریخی، سوانحی اور جنگی ناول ایک رومانی اور عشقیہ ناول میں تبدیل ہو جاتا ہے اور یہ سب غیر محسوس مگر حقیقی طریقے سے چلتا ہے۔

کتابیات

1۔ مولوی فیروزالدین، فیروزاللغات اردو جامع، فیروز سنز، لاہور، اشاعت 1 سال 2005، صفحہ 369

2۔ ڈاکٹر شہناز بیگم، اردو میں تاریخ نگاری کی تاریخ، انجمن ترقی اردو، دہلی، 2008، صفحہ 23

3۔ ڈاکٹر محمد شاکر، ناول نگاری: آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد، لبرٹی آرٹس پریس دہلی، 2003، صفحہ 136

4۔ قرآن کریم، سورہ الحجرات سورہ 49، آیت نمبر 13

5۔ ڈاکٹر نزہت سمیع الزماں، اردو ادب میں تاریخی ناول کا ارتقا، نامی پریس، لکھنؤ، 1982، صفحہ 324

6۔ علی عباس حسینی، اردو ناول کی تاریخ اور تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1983، صفحہ 42

7۔ علی عباس حسینی، اردو ناول کی تاریخ اور تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1983، صفحہ 42

8۔ خالد فتح محمد، خلیج، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور، 2015، صفحہ 12

9۔ صدیق سالک، میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، الفیصل پبلشرز، لاہور، 2017، صفحہ 15

10۔ شریف الحق دالیم، پاکستان سے بنگلہ دیش۔ ان کہی جدوجہد مترجم رانا اعجاز احمد، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور 2012، صفحہ 219

11۔ ایضاً

12۔ خالد فتح محمد، خلیج، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور، 2015، صفحہ 16

13۔ ایضاً صفحہ 57

14۔ شریف الحق دالیم، پاکستان سے بنگلہ دیش۔ ان کہی جدوجہد مترجم رانا اعجاز احمد، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور 2012، صفحہ 111

15۔ خالد فتح محمد، خلیج، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور، 2015، صفحہ 33

16. Sarmila Bose, Dead Reckoning, Service Book Club, GHQ, Rawalpindi, 2011, P. 27

17۔۔ خالد فتح محمد، خلیج، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور، 2015، صفحہ 46

18۔ ایضاً 47

19۔ شریف الحق دالیم، پاکستان سے بنگلہ دیش۔ ان کہی جدوجہد مترجم رانا اعجاز احمد، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور 2012، صفحہ 176

20۔ خالد فتح محمد، خلیج، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور، 2015، صفحہ 148

21۔ ایضاً

22۔ شریف الحق دالیم، پاکستان سے بنگلہ دیش۔ ان کہی جدوجہد مترجم رانا اعجاز احمد، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور 2012، صفحہ 246

23. Sarmila Bose, Dead Reckoning, Service Book Club, GHQ, Rawalpindi, 2011, P. 148

24۔ پروفیسر ڈاکٹر سجاد حسین، شکستِ آرزو۔ جب پاکستان دولخت ہوا، مترجم محمد ابراہیم خان، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، اشاعت سوم، 2016، صفحہ 70

25۔ سلیم منصور خالد، البدر، ادارہ مطبوعاتِ طلبہ، لاہور، طبع ہشتم 1989، صفحہ 154

26۔ انتظار حسین، بستی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، 2012، صفحہ 180

27۔ صدیق سالک، میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، الفیصل پبلشرز، لاہور، 2017، صفحہ 202

28۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان مع محمد سلیم الرحمان، منتخب ادبی اصطلاحات، سویرا آرٹ پریس، لاہور، بار اول 2005، صفحہ 108

29۔ ایضا! صفحہ 162